اسلامی ریاست میں معاشی نظام کا تصور : ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار کی روشنی میں

The ideology of an economic system of an Islamic State:

In view of Dr Israr Ahmad's thoughts

صاحبزادہ باز محمد[1]　　　　غلام جیلانی[2]

Abstract:

From ancient times man has been indulged in economic activities for livelihood. Because of cultural evolution humans have been utilising different sort of procurement to come up with their basic needs. From those acquired tools some have been flourished under the umbrella of divine teachings and some under the basic human instincts. The celestial divine light safeguards humans from excess and paucity and make them bound to obey the divine rules where the darkness of rapine and cruelty couldn't stand any more. Whereas the whole life is engulfed in the struggle of truth and falsehood then how can an economic field can be exempted from this scuffle. Islam is a complete code of life and it gives clear and solid instructions regarding this issue of economy related to social life. Dr Israr Ahmad has given an economic ideology to an Islamic state in the perspective of Islamic economic system to combat and compete the modern economic challenges of today's world by making the Islamic economic principles as the nucleus of his economic thoughts, and in this article we will try to understand his economic theory.

[1] چیرمین شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ بلوچستان کوئٹہ

[2] ایم فل اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ بلوچستان کوئٹہ

***Keywords**: Islamic Economic System, Dr Israr Ahmad, Modern Economic Challenges*

انسان جب اس کرہ ارض پر آیا تو اس کی ضرورتوں کے سامان میں معاشی سرگرمی کا عنصر نمایاں طور پر شامل رہا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے انسان اپنی تمدنی ارتقاء کی بدولت اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مختلف طرح کے طریقہ ہائے اکتساب سے فیض یافتہ ہوتا رہا ہے۔ان طریقہ ہائے اکتساب میں کچھ طریقے آسمانی وحی کے زیر سایہ رہے ہیں اور کچھ انسانی جبلتوں کے ماتحت رہے ہیں۔وحی کی روشنی بنی نوع انسان کو افراط و تفریط سے بچا کر انسانیت کو ان آفاقی اصولوں کی پابند بناتی ہے کہ جہاں ظلم و جبر کے اندھیرے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔حق و باطل کی کشمکش جہاں زندگی کے قریباً سبھی شعبوں پر محیط ہے وہاں معیشت کا میدان کیونکر اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور اجتماعی زندگی کے اس معاشی پہلو پر اس کی ہدایات بالکل واضح ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد نے جدید اسلامی ریاست کے معاشی چیلنجز سے نمٹنے اور معاصر دنیا کے معاشی نظاموں میں قطع و برید کرکے اسلامی اصولوں کو مدار بنا کر ایک لائحہ عمل دیا ہے کہ جسے ہم ذیل کی سطور میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی معاشی فکر جن پہلوؤں کے گرد گھومتی ہے۔ان میں اسلامی معاشی نظام کا مارکسزم اور سرمایہ دارانہ نظام سے تقابل اور ان دونوں نظاموں کی خوبیوں کا اسلامی اصولوں کی روشنی میں مطالعہ اور نتیجہ فکر کے طور پر تجاویز کا دینا شامل ہے۔ وہ مزارعت، جاگیرداری نظام کے مفاسد کو بھی موضوع بحث بناتے ہیں اور اسے ایک اسلامی ریاست کے معاشی ڈھانچے سے متصادم خیال کرتے ہیں۔ سود کی حرمت اور مروجہ نظام بینکاری پہ اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اسلام میں ٹیکس کے نظام کو جدید نیشن سٹیٹس کے حوالے سے نہیں دیکھتے بلکہ وہ نظریاتی بنیادوں پر عشر اور خراج کی تقسیم کو بیان کرتے ہیں۔

جدید دنیا میں دو بڑے معاشی نظام رائج ہیں۔ایک سرمایہ دارانہ نظام اور دوسرا اشتراکیت پر مبنی نظام ہے۔ دونوں نظاموں میں کلی طور پر نہ کوئی چیز درست ہے اور نہ ہی کلی طور پر غلط ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد اشتراکیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

مارکسزم کے رہنما اصول

اسلام نے مارکسزم (کمیونزم) کے رہنما اصولوں (cardinal principles) کو اپنے ہاں روحانی اور اخلاقی سطح پر برقرار رکھا ہے، قانونی سطح پر نہیں۔ان میں سے پہلا اصول، انسانی ملکیت کی نفی ہے۔ ہر شے اللہ کی ملکیت ہے، نہ کسی انسان کی انفرادیت ملکیت ہے نہ ہی قومی ملکیت ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمات ایک سے زائد مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔: "اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔" [1]

انسان کے پاس جو کچھ ہے، امانت ہے۔انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ محض انسانی محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی کا فضل ہے اور فضل اسے کہا جاتا ہے جو کسی استحقاق کے بغیر عطا ہو جبکہ اجرت اور اجر استحقاق کی بنیاد پر ملتے ہیں۔بندہ مومن کو یہ کبھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ اسے جو کچھ ملا ہے یہ اسکی کمائی اور محنت سے میسر آ گیا ہے، نہ ہی اسے اپنی صلاحیت اور ذہانت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ سورہ الجمعہ میں ارشاد ہے:

"جب نماز (جمعہ) مکمل ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو" [2]

چنانچہ اس فضل میں سے انسان کا جائز حق صرف اسکی ضروریات ہیں۔ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالی نے آزمائش کیلئے ہمیں عطا کر دیا ہے۔امتحان یہ ہے کہ اس زائد مال کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کر کے "حق بحق دار رسید" (حق حقدار کو پہنچ گیا) پر عمل کرتے ہو یا

اس پر غاصبانہ قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہو کہ میرا مال ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

"اے رسول ﷺ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا انفاق کریں؟ کہہ دیجئے " ضرورت سے جتنا زائد ہے (العفو) اسکا نفاق کرو (بھلائی کے کاموں میں خرچ کرو)۔" [3]

غور کیجئے کیا اس بھی اونچا کوئی "سوشلزم" ممکن ہے؟ لیکن یہ ہے رضاکارانہ، اختیاری۔ اسکو قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اسکے مطابق زندگی گزاری ہے۔ آپ ﷺ نے پوری زندگی کچھ بچا کر رکھا ہی نہیں کہ زکوۃ کا سوال پیدا ہو۔ میں جب یہ کہا کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے پوری زندگی زکوۃ دی ہی نہیں تو اس پر لوگ چونک جاتے ہیں۔ زکوۃ دینے کا سوال تو تب پیدا ہوتا ہے جب آپ ﷺ کچھ بچا کر رکھتے اور صاحب نصاب ہوتے۔ اسکو میں spiritual socialism سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔[4]

جس روحانی سوشلزم کا ذکر ابھی ہوا ہے اس پر نبی اکرم ﷺ کے علاوہ بہت سے فقراء صحابہ نے بھی زندگی گزاری ہے۔ انہی فقراء صحابہ میں حضرت ابوذر غفاری رض شدت زہد کی وجہ سے کسی قدر انتہاپسندی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ انکا نظریہ یہ تھا کہ سونے کا ایک ٹکڑا بھی اپنے پاس رکھنا حرام مطلق ہے۔ پھر یہ معاملہ صرف صحابہ رض تک محدود نہیں بلکہ ہمارے صوفیائے عظام نے بھی اسی روحانی سطح پر زندگی بسر کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام انہی صاحب کردار لوگوں کی وجہ سے پھیلا، جبکہ ہمارے ہاں جو بادشاہ آئے وہ اسلام کی طرف دعوت دینے کی بجائے اسلام سے متنفر کرنیوالے تھے۔[5]

سید ابو الا علی مودودی لکھتے ہیں:-

کیپٹلزم منافع اور سود دونوں کو قبول کرتا ہے اور نظریاتی سطح پر سوشلزم ان دونوں کو مسترد کرتا ہے جبکہ نفع کو قبول کرتا ہے اور سود کو رد کرتا ہے۔[6]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نجی ملکیت کو اگرچہ روحانی اور اخلاقی سطح پر اسلام نے برقرار رکھا ہے مگر قانونی طور پر یہ قدغن عائد نہیں کی۔ گویا اگر جدید اسلامی ریاست اشتراکیت سے اسلامی معاشی نظام کی طرف رجوع کرتی ہے تو اسے لامحالہ مذکورہ بالا تقسیم کو مد نظر رکھنا ہو گا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے تین اسلامی اصول

ہر نظام میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ کچھ خامیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ برائیوں کے ساتھ ساتھ اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ سرمایہ داریت کا عفریت چونکہ اس دور میں غالب بھی ہے لہذا اسکے غلبے میں ضرور کہیں نہ کہیں کچھ اصول کار فرما ہوں گے کہ جو فطرت یعنی اسلام کے نزدیک ترین قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد سرمایہ دارانہ نظام کے تین اصولوں کو مغرب کی فتح مندی کا باعث قرار دیتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:-

(اول) پہلا اصول قانونی طور پر نجی ملکیت سے متعلق ہے۔ اس کے تحت آپ کسی بھی چیز کے مالک ہو سکتے ہیں۔ استعمال کی ہر شے کے مالک ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ذرائع پیداوار کی (Means of Production) کی بھی نجی ملکیت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ دکان، کھیت اور کارخانے کے مالک ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت کا اصل الاصول ہی نجی ملکیت کا تصور ہے۔ اس تصور کا منطقی نتیجہ ذاتی ترغیب (Personal Incentive) کی صورت میں نکلتا ہے۔ چنانچہ آپ زیادہ محنت کرینگے، راتوں کو جاگیں گے، اپنی ذاتی جائیداد میں اضافہ کرینگے تو تمام پیداواری اضافہ آپکا اپنا ہو

گا۔ کمیونزم کی موت اسی لئے تو واقع ہوئی ہے کہ وہاں یہ ذاتی ترغیب کا عنصر مفقود تھا۔ ہر شخص فطری طور پر سوچتا ہے کہ میں زیادہ کام کروں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے ایک معین مشاہرہ ہی ملنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں جو صنعتیں قومیائی گئیں انکا بیڑہ غرق ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ کارخانہ دار تو راتوں کو جاگے گا۔ اسے معلوم ہے کہ کارخانے کا خراب پرزہ اگر راتوں رات نہ بن سکا تو میرا کارخانہ کل بند رہیگا جس سے مجھے اتنے لاکھ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اسکے برعکس اگر جنرل مینیجر صرف ایک تنخواہ دار آدمی ہے تو اسکا اپنا کوئی ذاتی مفاد تو اس میں ہے نہیں، وہ کس کے لئے محنت کرے گا، کارخانہ خراب ہوتا ہے تو ہو، کام بند ہوتا ہے تو ہو جائے۔ [7]

(دوم) دوسری چیز مارکیٹ اکانومی ہے، جو رسد و طلب (سپلائی اور ڈیمانڈ) کے اصول پر مبنی ہے۔ اس اصول کے تحت چیزوں کی رسد اگر زیادہ ہے اور طلب کم تو قیمتیں گر جائینگی۔ اسکے برعکس اگر رسد کم ہے اور طلب زیادہ تو قیمتیں بڑھ جائینگی۔ اسکے ہوتے ہوئے کسی artificial control کی ضرورت نہیں اور اگر آپ مصنوعی طور پر کنٹرول کرینگے تو لوگوں کو بے ایمان بنانے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ [8]

(سوم) مغربی سرمایہ دارانہ معیشت کا تیسرا اصول Hire and Fire ہے۔ اسکا مفہوم یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو اپنے ہاں ملازم رکھتے ہیں۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آپکا کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اسے احسن انداز سے انجام دے گا۔ آپ یہ بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ اسکی out put کیا ہو گی۔ اسی بنیاد پر اس سے تنخواہ کا معاملہ بھی طے کر لیتے ہیں یہ سارا عمل hire ہے۔ کچھ عرصے بعد آپ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس صلاحیت کا مالک نہیں یا وہ محنت نہیں کرتا تو اسے ملازمت سے برخاست کر دیتے ہیں۔ یہ fire کا عمل ہوا۔ جس طرح آپ hire کرنے کے مجاز تھے اسی طرح اپنے مفاد کے مد نظر fire کرنے کے بھی مجاز ہیں۔ [9]

ڈاکٹر اسرار احمد اس تین مندرجہ بالا اصولوں کو اسلام کے اصول بھی قرار دیتے ہیں۔ اور ایک اسلامی ریاست میں ان اصولوں کی بنیاد پر معاشی نظام کھڑا کرنا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اسلامی نظام معیشت اور سرمایہ داری

کوئی بھی معاشی نظام ہو وہ کسی نہ کسی بنیاد یا ضابطے پر استوار ہوتا ہے اور سرمائے یا محنت میں سے کسی ایک یا دونوں کے مفادات کا نگہبان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اسلامی نظام معیشت اور سرمایہ داری کی اصل الاصول سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام یہ تو چاہتا ہے ہے کہ سرمایہ کاری ہو مگر وہ سرمایہ داری کو باقی رکھنے کا روادار نہیں مغربی معیشت سرمایہ کاری پر مبنی ہے لیکن جب اس میں سود شامل ہو جاتا ہے تو یہ سرمایہ کاری سرمایہ داری بن جاتی ہے سرمایہ کاری تو یہ ہے کہ آؤ کام کرو، سرمایہ لگاؤ تجارت کرو لیکن تم کو سرمایہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ سرمایہ داری یہ ہے کہ محض سرمایہ کو نفع اندوزی کا ذریعہ جائے۔ محنت بھی نہ کی جائے اور نقصان میں شرکت بھی نہ کی جائے۔ اسکا نتیجہ دولت کے ارتکاز کی صورت میں نکلتا ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا ہے۔

"ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ سرمایہ صرف تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش کرتا رہے۔"[10]

کیونکہ اسطرح طبقاتی تقسیم پیدا ہو جائیگی اور قرآن مجید کی اصطلاح میں "مترفین" اور "محرومین" کے دو طبقے وجود میں آجائیں گے۔[11]

مترفین کا طبقہ اسطرح وجود میں آتا ہے کہ ہر معاشی proposition میں تین امور شامل ہو جاتے ہیں: سرمایہ، محنت اور موقع۔ وہی سرمایہ کاری اور وہی محنت کسی خاص وقت یا جگہ پر زیادہ نتیجہ خیز اور منافع بخش ثابت ہوتے ہیں جبکہ وہی سرمایہ اور وہی محنت کسی دوسرے وقت اور جگہ پر اسقدر نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتے، اسی کو موقع یا چانس کہتے ہیں۔[12]

سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کے بجائے سرمایہ دار کے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سرمایہ دارانہ نظام کی اس خرابی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے جبکہ سرمایہ کو محض سرمایہ کی حیثیت سے earning factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی طرح chance محض chance کی حیثیت سے کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ حرام ہے۔ جب سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں earning agent بنتا ہے۔[13]

سرمایہ داری نظام کی اسلامی نظام میں تبدیلی

ڈاکٹر اسرار احمد سرمایہ دارانہ نظام کی تین خرابیوں کو نکالنے کی تجویز دیتے ہیں کہ جن کے نکل جانے سے سرمایہ دارانہ نظام کو اسلامی نظام معیشت میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

(ا) پہلی چیز جو مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں سے نکالنی ہے وہ ربا (سود) ہے۔ یہ ہے تو ایک چیز لیکن بہت ہی بھاری ہے۔ یہ ربا نظام معیشت میں بری طرح پیوست ہو چکا ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ کینسر ہے جو پورے جسم میں سرایت کر چکا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ ربا ہماری معیشت کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے، جو اسکے ٹکڑے ٹکڑے کئے بغیر نہیں نکل سکتا۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے اس عمل ہی کا نام انقلاب ہے۔[14]

ڈاکٹر اسرار صاحب سود کے حوالے فرماتے ہیں کہ ہر قابل لحاظ پیداواری عمل میں دو عوامل تو اساسی تو بنیادی طور پر لازمی شامل ہوتے ہیں، یعنی محنت اور سرمایہ، اور ایک تیسرا عامل بھی خواہ ثانوی درجہ ہی سہی بہر حال کسی نہ کسی حد تک ضرور موجود ہوتا ہے، یعنی " موقع یا چانس" اور مالی معاملات میں شریعت الٰہی میں علت اور حرمت کا اصل الاصول یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ زور بھی انسانی محنت پر دیا گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ تحفظ بھی اسی کو فراہم کیا گیا ہے جبکہ سرمایہ کو

بروئے کار آنے کی اجازت تو دی گئی ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ سلام کے جنات کی مانند کسی قدر پابند سلاسل کر کے، تاکہ یہ پیداواری عمل میں مناسب حصہ تو ادا کرے لیکن نہ محنت کا استحصال کر سکے نہ محنت کے بغیر محض موقع یا چانس کے رسک کے ذریعے افزائش وافزودگی حاصل کرنے کی کوشش کر سکے اس لئے انہی دو ذرائع کی بنیاد پر سرمایہ پوری معیشت پر آکاس بیل کی طرح مسلط ہو جاتا ہے۔ [15]

شریعت اسلامی کا اصل الاصول تو یہ ہے اسکے نزدیک سرمایہ کو As such یعنی محض سرمائے کی حیثیت سے "کماؤ" یعنی Earning Agent تسلیم کیا جانا" ناپسند" ہے۔ چنانچہ اسکی ایک انتہائی صورت کو تو اس نے سود یا ربا قرار دیکر صرف حرام مطلق ہی نہیں بلکہ اتنا حرام قرار دیا ہے سوائے شرک جلی کے کوئی اور عمل اتنا حرام نہیں ہے۔ چنانچہ سود یا ربا تو یہ ہے کہ سرمایہ محض سرمائے کی حیثیت میں منفعت کا طالب ہو، نقصان کا رسک بالکل قبول نہ کرے اور منفعت بھی ایک معین شرح پر طلب کرے۔ [16]

(۲) دوسری چیز جو سرمایہ دارانہ نظام سے نکالنی ہے وہ جوا ہے۔ [17]

(۳) تیسری چیز جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری نکال دیجئے۔ [18]

بظاہر یہ تین چیزیں بہت چھوٹی لگتی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ نظام کو مکمل طور پر بدلے بغیر انکو نکالنا ممکن نہیں ہے۔

شراکت

ڈاکٹر اسرار احمد سرمایہ کاری کے تین اسلامی طریقے بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ آدمی اپنا سرمایہ اور اپنی محنت کرے دوسرا ایک سے زائد لوگ ملکر سرمایہ اور محنت لگائیں اسے شراکت کہا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے مگر اس میں اسلامی نقطہ نظر سے ایک شرط کا اضافہ کرنا پڑے گا۔ لکھتے ہیں:۔

"ایک شرط عائد کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ (شرکت میں) محدود(limited) ذمہ داری کا تصور نہ ہو۔ یہ تصور حرام ہے۔ دنیا میں تمام اسکینڈلز اسی limited liability کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ آپ نے اپنے سرمائے کو نکال لیا، اپنے assets بنالئے اور پھر کمپنی کو دیوالیہ قرار دے دیا۔ اب وہ روتے پھریں جن کو ادائیگیاں کرنا آپکے ذمہ تھا۔ آپکی ذاتی جائیداد سے وہ اپنا قرض وصول نہیں کر سکتے۔ شراکت کے نظام میں مکمل ذمہ داری (total liability) ہونی چاہیئے۔ ہمارے ہاں پوری صنعت کا یہی معاملہ ہے۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ تھوڑا سا اپنا سرمایہ لگایا اور بینک سے بہت بڑا قرض صنعت کے نام پر لے لیا۔ اس قرض ہی سے اپنا سرمایہ نکال لیا، اور بہت کچھ لوٹ کھسوٹ کر شیک ہینڈ ڈیل کا طریقہ بنالیا۔ اسطرح سارا تعاون بینک پر آجاتا ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ بینک کس کا ہے! ظاہر ہے بینک میں لوگوں کی ہی دولت جمع ہوتی ہے۔ یہ سارے سرمایہ دارانہ ہتھکنڈے ہیں جو دنیا میں ایجاد ہو چکے ہیں۔ اسکے برعکس شراکت کا تصور یہ ہے کہ آپکے کاروبار میں کوئی شریک ہوتا ہے۔ اب کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو آپکو ذمہ داری قبول کرنی ہو گی۔ گویا آپکو اسکا تاوان ادا کرنا ہو گا۔ [19]

مضاربت

تیسری شکل یہ ہے کہ سرمایہ کسی اور کا ہے اور کام کرنیوالا کوئی دوسرا شخص ہے۔ اس شکل کو بھی شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ اسکو مضاربت کہتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی سرمایہ دار محض اپنے سرمائے سے نفع حاصل کرتا ہے۔ ظاہر ہے اسکی عملی صورت یہی ہے سرمایہ میرا ہے اور محنت آپ کر رہے ہیں۔ گویا مجھے نفع بغیر محنت کے محض سرمائے کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ لیکن یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اصل تحفظ محنت کو حاصل ہے، سرمائے کو نہیں۔ اگر نقصان ہوتا ہے تو مکمل طور پر وہ شخص برداشت کرے گا جس نے سرمایہ لگایا ہے۔ اس تصور سے سرمایہ دارانہ ذہنیت کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی سرمایہ دار یہ کام کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ بہرحال مضاربت میں اگر نفع ہوتا ہے تو سرمایہ لگانے والا اور محنت کرنیوالا برابر کے شریک ہیں۔

لیکن اس صورت سے آگے بڑھ کر محض سرمائے کی بنیاد پر معین نفع بغیر کسی نقصان کے حاصل کرنا شریعت میں اس شدت سے حرام ہے کہ اس سے زیادہ شدت سے کوئی اور چیز حرام نہیں ہے۔[20]

زمین کا مسئلہ

ڈاکٹر اسرار احمد مروجہ مزارعت کو خلاف اسلام سمجھتے ہیں۔اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔

جن تین خرابیوں کو نکال کر کسی بھی نظام معیشت کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے ان میں سے ایک جاگیر داری اور غیر حاضر زمین ملکیت زمین (absentee landlordism)کا نظام بھی ہے۔ اس بات کو آپ یوں سمجھئے کہ زمین آپکی ہے، محنت آپ کریں، خوب محنت کریں اور زیادہ سے زیادہ فوائد پیداوار حاصل کریں " چشم ماروشن دل ماشاد"۔لیکن اصل مسئلہ اسوقت پیدا ہوتا ہے جب زمین کسی اور کی ہو اور محنت کوئی دوسرا کرے۔ایک اور صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زمین بھی جمع کریں اور محنت بھی'جیسے " شراکت" میں ہوتا ہے۔اس طرح آپ collective farming کر سکتے ہیں، گویا آپ نے وسائل اور محنت جمع کر دی۔ لیکن یہ سارا معاملہ رضاکارانہ اور فریقین کی آزاد مرضی سے ہونا چاہیئے۔اس میں کسی قسم کے جبر کا دخل نہیں ہونا چاہیئے۔[21]

زمین کی اقسام

ڈاکٹر اسرار احمد جاگیر داری نظام کے خاتمے کے پرجوش حامی تھے کیونکہ ایک فلاحی اسلامی ریاست جاگیر داری کا بوجھ اٹھاکر رعایا کی کماحقہ فلاح وبہبود نہیں کر سکتی۔اگر پاکستان کے تناظر میں بات کی جائے توڈاکٹر اسرار احمد نے اس مملکت کی زمینوں کو خراجی زمینوں میں شمار کیاہے۔ان کے اس نظریے سے جاگیر داری نظام کا خاتمہ قدرے سہل ہو جاتا ہے کیوں کہ خراجی زمین بہت زیادہ مقدار میں فرد واحد کے تصرف میں رکھنا جائز ہی نہیں۔اس بارے میں وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا حوالہ دیتے ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد زمین کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:۔

زمین کی ایک قسم وہ ہے جسکے مالک کسی جنگ و جدال کے بغیر ایمان لے آئے ہوں۔ ایسی زمین انہی کی ملکیت شمار ہو گی اور اسکی پیداوار میں سے عشر وصول کیا جائیگا۔ ایسی زمین کو عُشری زمین کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی زمین کی سب سے نمایاں مثال مدینہ منورہ کی زمینیں ہیں۔ مدینہ کو نبی اکرم ﷺ نے فتح نہیں کیا تھا بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی۔ عُشر دو طرح کا ہوتا ہے۔ جو زمین بارش یا قدرتی ذرائع سے سیراب ہوتی ہو تو اس سے پورا عُشر یعنی پیداوار کا دس فیصد وصول کیا جائے گا۔ اسکے برعکس جس زمین کی آبپاشی مصنوعی طریقہ پر ہو اور اسکے لئے کاشتکار کو اخراجات دینے پڑیں، مثلاً آبیانہ ادا کرنا پڑے یا ڈیزل بجلی خرچ ہو تو اس پر نصف عُشر یعنی پیداوار کا پانچ فیصد وصول کیا جائیگا۔[22]

زمین کی دوسری قسم وہ ہے جسے خراجی کہا جاتا ہے۔ یہ ان علاقوں اور ملکوں کی زمینیں ہیں جو بزورِ شمشیر فتح ہوئے ہیں۔ ایسی زمینیں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہیں، گویا یہ اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں۔ اس زمین میں ایک انچ کسی کا ملکیتی رقبہ نہیں ہے۔ جو لوگ پہلے سے ان زمینوں پر قابض تھے، وہ عیسائی ہوں، مجوسی ہوں، قبطی ہوں یا یہودی ہوں، اب انکی حیثیت کاشتکار کی ہو گی اور وہ زمین کا خراج براہ راست خود بیت المال کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہونگے۔ خراج کی شرح اسلامی حکومت اپنے اجتہاد سے مقرر کرے گی۔ نظام خلافت میں ریوینو کا سب سے بڑا source مسلمانوں کا بیت المال ہو گا۔ [23]

جاگیر داری نظام کے مفاسد

ملکیت زمین کا مسئلہ علماء اسلام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ مولانا مودودی اس حوالے سے لکھتے ہیں:-

اسی طرح زمین کی ملکیت کا مسئلہ بھی ہے۔ اسلام سے پہلے ہزاروں سال سے دنیا میں یہ دستور جاری تھا۔ قرآن نے اسکی ممانعت نہ کی۔ کوئی صریح حکم اس کے موقوف کرنے کے لئے نہ دیا۔ کوئی

دوسرا قانون اس کی جگہ لینے کے لئے نہ بنایا۔ کہیں اشارۃً اس رواج کی مذمت تک نہ کی۔ اس کے معنی یہی تھے کہ اللہ تعالی نے اس پرانے دستور کو جائز رکھا، اور یہی معنی لے کر مسلمان نزول قرآن کے بعد سے اب تک زمین کو اسی طرح شخصی ملکیت بناتے رہے جس طرح اس سے پہلے وہ شخصی ملکیت بنائی جاتی رہی تھی۔ اب اگر کوئی اس کے عدم جواز کا قائل ہے تو اسے عدم جواز کا ثبوت دینا چاہئے نہ کہ وہ ہم سے ثبوت کا جواز مانگے۔ [24]

مزید لکھتے ہیں:-

دیکھیئے زمین سے انسان کی دو ہی اغراض وابستہ ہیں۔ یا زراعت یا سکونت۔ قرآن ان دونوں اغراض کے لئے زمین کی شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ [25] سورہ الانعام میں ہے:

"اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب کہ وہ پھل لائے اور اس کی فصل کٹنے کے دن اس کا (یعنی خدا کا) حق ادا کرو۔[26]

ڈاکٹر اسرار احمد مروجہ جاگیر داری نظام کو ایک جدید اسلامی ریاست کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں اور اس کا سرا ملوکیت کے دور سے جوڑتے ہیں۔ اس ضمن وہ لکھتے ہیں:-

میرے نزدیک دور ملوکیت کی اصل خرابیاں مالی ہیں۔ بنو امیہ کا دور تو ملوکیت کا نقطۂ آغاز تھا۔ ملوکیت نے گہری جڑیں دور بنو عباس میں پکڑی تھیں۔ ابتدا میں نہ کوئی شرک کا فتنہ تھا، نہ کوئی باطل عقائد اسلام میں در آئے تھے، نہ معتزلہ پیدا ہوئے تھے اور نہ بدعات کا طوفان کھڑا ہوا تھا۔ ایک طرف خرابی صرف سیاسی اور دستوری سطح پر آئی تھی کہ خلافت شورائی نہیں رہی تھی بلکہ موروثی ہو گئی تھی۔ دوسری طرف سب سے بڑی خرابی مالیاتی امور میں در آئی تھی۔ اس ضمن میں ایک بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ جاگیر داری کی حیثیت ملوکیت کیلئے پاؤں کی سی ہے۔ گویا سب جاگیر دار ملوکیت کے " پاؤں " ہوتے ہیں۔ لہذا دور ملوکیت میں پہلا کام یہ ہوا کہ بڑے بڑے رقبے دے کر لوگوں کو

نوازنا شروع کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پہلے اور آخری صاحب اختیار مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز کا دوسرا تجدیدی کارنامہ یہی تھا کہ اسوقت جتنی بھی جاگیریں عطا کی گئی تھیں ان سب کی دستاویز منگوائیں اور قینچی سے کتر کا انکا ڈھیر لگا دیا۔[27]

ڈاکٹر اسرار احمد مروجہ نظام مزارعت کو بھی خلاف اصل سمجھتے ہیں اور حنفی فقہاء کے اجتہاد کو " نظریہ ضرورت " سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اس بات کے شدت سے قائل نظر آتے ہیں کہ نظریہ ضرورت مسلمان فقہاء کی مجبوری تھی۔ لکھتے ہیں:-

حقیقت یہ ہے کہ اس ملوکیت نے ہماری فقہ پر بھی اثرات ڈالے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح نے سختیاں جھیلیں، جیل جانا قبول کیا مگر قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہیں کیا، جبکہ انکے شاگرد نے یہ عہدہ بہر حال قبول کیا۔ میں قاضی امام ابو یوسف کی نیت پر ہر گز حملہ نہیں کر رہا، انہوں نے اپنی مصلحت، امت کی مصلحت یا حالات کا تقاضا سمجھ کر یہ عہدہ بہر حال قبول کیا۔ اس امام ابو حنیفہ رح اور امام یوسف رح کے طرز عمل میں بہر حال فرق تو واقع ہو گیا۔ اب قاضی ابو یوسف ملک کے چیف جسٹس ہیں لیکن جو برائی آچکی ہے وہ اسکو دفع کیسے کریں؟ چنانچہ " نظریہ ضرورت " کے تحت قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ نے بعض کڑی شرائط لگا کر مزارعت کے جواز کا فتوی دے دیا۔ ان شرائط میں مثلاً یہ شرط بھی ہے مالکِ زمین بیج بھی مہیا کرے اور مزید فلاں فلاں چیزیں بھی مالک کے ذمہ ہیں، تا کہ اگر فصل تباہ ہو تو کچھ نہ کچھ نقصان تو زمیندار کو بھی تو اٹھانا پڑے، سارا تاوان بیچارے کاشتکار پر تو نہ آئے۔[28]

یہ بعینہ وہی چیز ہے کہ ہمارے فقہانے متغلب کی اطاعت کو بھی ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ بدامنی اور انار کی بہر حال قابل قبول نہیں۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں یہی صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ ملوکیت کا راستہ روکنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ان ملوک کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ بہر حال میرے نزدیک مزارعت زمین کا سود ہے۔[29]

مولانا طاسین اپنی کتاب مروجہ نظام زمینداری اور اسلام میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی ملک میں زمین کی ملکیت رکھنے والے یا نکلتی زمینیں لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں رکاوٹ بننے لگیں بوجوہ جاگیرداری کے اور اسلئے کہ لوگوں کے پاس اسقدر زمینیں ہوں کہ وہ انکی کماحقہ کاشتکاری نہ کر سکیں کہ لوگوں کی ضروریات پوری ہو سکیں اور اسے بنجر اور بے آباد رہنے دیں جس سے خوراک کے وسائل میں کمی آجائے۔لہذا حکومت کو حق حاصل ہے لوگوں سے زائد زمینیں واپس لے کر انکو دے دے جو اسے بھرپور سرگرمی سے آباد کرنے کی سعی کریں۔[30]

جاگیرداری کے حوالے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب" اسلام میں عدلِ اجتماعی"میں رقمطراز ہیں کہ ہندوستان نے آزادی کے کچھ ہی عرصے بعد جاگیرداری کے عفریت سے نجات حاصل کر لی تھی لیکن پاکستان میں ایسا نہیں ہو سکا حالانکہ جناح اور اقبال دونوں ہی جاگیردار نہیں تھے۔[31]

اسلام کا نظام محاصل

کسی بھی ریاست اور حکومت کو چلانے کے لیے بیت المال یا وزارت خزانہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ مملکت کے جملہ اخراجات کو احسن طریقے سے پورا کیا جاسکے اور رعایا کی کفالت عامہ کے نظام کو بھی کسی رکاوٹ کے بغیر چلایا جاسکے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:-

ٹیکس عائد کرنے کے بارے میں قرآن اس اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ٹیکسوں کا بار صرف ان لوگوں پر پڑنا چاہیے جو اپنی ضرورت سے زیادہ مال رکھتے ہوں اور ان کی دولت کے بھی صرف اس حصے پر بار ڈالا جانا چاہیے جو ان کی ضرورت سے زائد بچتا ہو۔[32]

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہو جو کچھ تمھاری ضرورت سے بچے۔[33]

ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف اس معاملے میں نظریاتی بنیادوں پر استوار کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ اس بارے میں رقمطراز ہیں:-

اسلامی نظام مملکت میں نظام محاصل کے بارے میں ایک اہم اور اصولی بات اور بھی ہے جو مد نظر رہنی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اسلامی ریاست اصلاً ایک نظریاتی ریاست ہے اور اگرچہ اسکی حدود میں بسنے والے تمام شہری بلا امتیاز مذہب و ملت بعض اعتبارات سے بالکل مساوی بھی ہیں جیسے حرمت جان و مال میں تاہم بہت سے اعتبارات سے شہریوں کا دو حصوں میں منقسم ہونا لازم ولابد ہے یعنی ایک وہ جو اس نظریئے کو ماننے والے ہوں جس پر ریاست قائم ہے اور دوسرے وہ جو اسے نہ مانتے ہوں۔ چنانچہ اسلام کے نظام محاصل کے اعتبار سے بھی ایک اہم اور بنیادی تقسیم اسی اعتبار سے ہے کہ بعض کی ادائیگی صرف مسلمانوں پر ہے یعنی اسلامی ریاست کے اصول و مبادی ماننے والوں پر اور بعض کی غیر مسلموں پر یعنی ان پر جو ان اصولوں کو نہیں مانتے پھر یہ کہ انکی نوعیت میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے اور انکے مدّات صَرف میں اساسی اور بنیادی فرق ہے۔ [34]

چنانچہ مسلمانوں سے نقدی کی تمام صورتوں اور اموال تجارت پر زکوۃ وصول کی جاتی ہے جسکی شرح کل مالیت کا ڈھائی فیصد ہے، انکی زرعی اراضی میں سے نہری یا چاہی زمینوں کی کل پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے یعنی ۵ فیصد، اور بارانی زمینوں کی پیداوار سے کُل کا دسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے یعنی دس فیصد اور ان دونوں کی نوعیت TAX کی نہیں ہے بلکہ اصلاً عبادت کی ہے۔ اسکے برعکس غیر مسلموں کے اموال سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے اور انکی زمینوں سے 'خراج' اور ان دونوں کی حیثیت خالصتاً Tax کی ہے یہی وجہ ہے کہ انکی کوئی شرح بھی معین نہیں، انکا تعین حکومت وقت کی صوابدید پر ہے اور اسی طرح ان سے حاصل شدہ رقوم کے صرف پر بھی کوئی پابندی نہیں، جملہ شعبہ ہائے حکومت کے اخراجات اور نظم و انصرامِ مملکت کے تمام تقاضے ان سے پورے کئے جاسکتے ہیں۔ [35]

نظام زکوۃ

ڈاکٹر اسرار احمد زکوۃ کے اموال کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس بنیاد پر اسلامی ریاست کے محاصل کے وصول و عدم وصول کو قانونی اور اخلاقی حوالے سے واضح کرتے ہیں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں:-

زکوۃ کے نظام کے حوالے سے ایک بات اور بھی سمجھ لینی چاہئے کہ مال کی دو قسمیں ہیں بالکل اسی طرح جیسے زمین کی دو قسمیں ہیں، مال کی دو قسمیں یہ ہیں۔

(۱) اموال ظاہرہ (۲) اموال باطنہ

مال کی ان دونوں اقسام کو سمجھنے سے تاریخ اسلام کے اس واقعہ کی حقیت بھی سمجھ میں آ جائے گی کہ خلافت راشدہ کے دور میں لوگ زکوۃ لئے پھرتے تھے مگر زکوۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ خلافت راشدہ میں زکوۃ تو بیت المال وصول کرتا تھا، یہ زکوۃ لے کر پھرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تقسیم سمجھنے سے واضح ہو جائے گا۔

اموال ظاہرہ یعنی وہ مال جو مخفی نہیں ہے مثلاً سامان تجارت جو دکان یا گودام میں موجود ہے، اس مال کو جیب میں یا تکیے کے نیچے رکھ کر چھپایا تو نہیں جاسکتا۔ اسی طرح مویشیوں کے گلے ہیں انکی گنتی بھی بآسانی ممکن ہے۔ کارخانے ہیں جنکی مصنوعات آنکھوں کے سامنے ہیں کہ اتنا دھاگہ ہے، اتنا کپڑا ہے، اتنی روئی ہے۔ چنانچہ یہ اور اسی طرح کے تمام اموال ظاہرہ پر نظام خلافت میں زکوۃ عائد کی جائیگی اور جبراً بھی وصول کی جائیگی کیونکہ نظام خلافت کے تحت ہر انسان کی بنیادی ضروریات زندگی کی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے زکوۃ جبراً بھی وصول کی جائے گی یہ جبری وصولی اموال ظاہرہ ہی سے کی جائیگی اور ایک ایک پائی کا حساب لیا جائے گا۔ [36]

اموال کی دوسری قسم اموال باطنہ ہیں جیسے کہ وہ نقدی یا زیور جو آپ نے اپنے گھر میں کسی آڑے وقت کیلئے رکھ چھوڑا ہے انکی تلاشی نہیں لی جائیگی نہ ان اموال کی زکوۃ جبراً وصول کی جائے گی۔ یہ آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ اس میں آپ کو یہ آزادی حاصل ہے کہ چاہیں تو زکوۃ ریاست کو دے دیں، چاہیں تو اپنے طور پر دے دیں۔ یہی اموال باطنہ تھے کہ جن کی زکوۃ لوگ لے کر پھرتے تھے لیکن کوئی قبول کرنے والا نہیں ملتا تھا۔[37]

اسلام کا معاشی نظام عدل

حضرات! اسلام نے معاشی اور اقتصادی معاملات میں عدل و قسط کا جو مقام متعین کیا ہے اور جس میں اس نے مساوات اور آزادی ایسی دونوں اعلیٰ اقدار کو خوبصورتی سے سمویا ہے وہ نظام کیا ہے؟ میں اسکی طرف آتے ہوئے ایک بات کہنا چاہتا ہوں جو شاید اکثر لوگوں کو چونکا دے اور یہی میں چاہتا ہوں کہ ذہن بیدار ہو جائیں۔ وہ یہ کہ اسلام کا معاشی نظام ایک نہیں دو ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ از ابتدا یا انتہا مکمل ہیں۔ دونوں کا اپنا اپنا ایک فلسفہ ہے، دونوں کا ایک نظریہ ملکیت ہے، نظریہ حقوق، نظریہ قدر زائد (surplus value) ہے۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں کہ جو کسی بھی معاشی نظام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہیں اور یہ سب چیزیں ان دونوں میں بالکل جدا جدا ہیں۔ کوئی چاہے تو یوں کہہ لے کہ یہ ایک ہی نظام کے دو رخ ہیں۔ لیکن بہر حال انکے علیحدہ علیحدہ وجود سے انکار ممکن نہیں۔ یہ دونوں نظام ایک دوسرے سے انٹر کونیکٹیڈ interconnected بھی ہیں، بہت حد تک انٹر ڈیپینڈنٹ interdependent بھی، اور اسلام کی برکات اور اسکے ثمرات کا کامل ظہور ان دونوں کے اجتماع اور اتصال ہی سے ہو سکتا ہے۔[38]

اخلاقی و روحانی نظام کے اصول

ڈاکٹر اسرار احمد اسلام کے دوسرے نظام یعنی اخلاقی و روحانی نظام کو چار اصولوں میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) ملکیت کی کلی نفی

(۲) انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اسکا کسب نہیں بلکہ اللہ کا فضل ہے، اسکی عطا ہے۔

(۳) انسان کا حق اسکی جائز ضروریات ہیں۔ بعض احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں متعین فرما دیا ہے یعنی دو وقت کے کھانے کیلئے سامان، سر چھپانے کو چھت، دو جوڑے کپڑے اور عفت و عصمت کی حفاظت کیلئے بیوی۔

(۴) اب جو کچھ انسان کے پاس بچ رہے اسے دوسروں کی ضرورت کیلئے وقف کر دے، گو کہ قانونی طور پر اسے اس پر حق تصرف حاصل ہے لیکن اخلاقی تقاضا یہ ہے کہ وہ دوسروں کی طرف منتقل ہو۔[39]

مادیت اور جدید معاشی نظام

ڈاکٹر اسرار احمد سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام دونوں کو مادیت پرستانہ قرار دیتے ہیں اور اس کے باہمی فرق کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

اگرچہ سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام بظاہر تو ایک دوسرے کی کامل ضد ہیں کیونکہ نظام کے اعتبار سے ایک مشرق کی بات ہے تو دوسری مغرب کی، لیکن فکری بنیاد ان دونوں کی ایک ہی ہے یعنی مادہ پرستی۔ یہ مادیت (Materialism) ہی تھی جس نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر جدلی مادیت

(Dialectical Materialism) کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مادیت ہی بنیاد ہے مغربی جمہوریت (Western Democracy) کی کہ جسکے ساتھ کیپٹلزم کا ضمیمہ لگا ہوا ہے اور اس مادیت ہی کی ایک زیادہ ترقی یافتہ شکل جدلی مادیت ہے جس سے دوسرا نظام پھوٹا ہے جسے ہم سوشلزم اور کیمونزم یا اسکے مختلف شیڈز (shades) سے پہچانتے ہیں۔[40]

بینکاری نظام

جدید بینکاری نظام سرمایہ دارانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس استحصالی نظام میں محنت کے بجائے سرمایہ کو تحفظ حاصل ہوتا ہے اور اس نظام میں سرمایہ ہی بطور سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں earning agent بنتا ہے اور سودی لین دین اس کا جزو لاینفک ہے۔ اگرچہ کچھ علمائے اسلام نے کچھ شرائط کیساتھ اسلامی بینکاری کے نظام کا ماڈل پیش کیا ہے، بامر مجبوری تو یہ بھی غنیمت ہے لیکن اسلامی معاشی نظام کی روح سے یہ تبھی درست ہو سکتا ہے کہ جب اسکی نظریاتی اور عملی بنیادیں درست سمت میں ہوں۔ جہاں سرمایہ کے بجائے محنت کو تحفظ حاصل ہو اور قرض کے معاملے میں سودی لالچ کے بجائے اسلام کی عظیم اخلاقی قدروں کا رواج ہو۔ مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادیں حیلے میں پیوستہ ہیں۔ یہ سسٹم بیع مرابحہ اور بیع مؤجل کے اصولوں کے تحت چلتا ہے جس کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:-

بیع مؤجل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آپ کوئی چیز نقد رقم ادا کر کے لیں تب تو مثلاً آپ سے ۱۰۰ روپے قیمت وصول کی جائیگی، لیکن اگر آپ قیمت سال بھر کے بعد ادا کریں تو قیمت مثلاً ۱۲۰ روپے وصول کی جائیگی۔ ہمارے پاس اسکے جواز کا بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں میں یہ عرض کرونگا عقل اور منطق کے استدلال سے اس میں اور سود میں فرق کیا ہے؟ وہ چیزیں جو بازار میں نقد قیمت پر دستیاب ہیں، انکو اگر آپ قسطوں پر لیں اور قیمت زیادہ ادا کریں، تو قیمت میں جو اضافہ ہے اسے سود کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ عجیب بات ہے کہ اس جواز کا کوئی معین فتویٰ بھی نہیں ہے، بس ایک عبارت کہیں سے نکلی ہے جس کے الفاظ کچھ اسطرح پر ہیں "کیا تم دیکھتے نہیں کہ اسکا رواج ہے۔" اب اس عبارت کو لے کر ہمارے ہاں قسطوں کا جو سارا کاروبار ہو رہا ہے اسکا جواز ڈھونڈا جا رہا ہے۔ اسی طرح مختلف فقہی حیلوں سے بیع مؤجل کے جواز کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ [41]

اسی طرح کا معاملہ " بیع مرابحہ " کا ہے۔ بیع مرابحہ کیا ہے؟ اسکو آپ یوں سمجھئے کہ مجھے بازار سے کوئی چیز خریدنی ہے لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ آپ بازار سے خرید کر مجھے لا دیجئے میں اس پر آپکو اتنا نفع دے دونگا۔ مثلاً آپ سو روپیہ کی چیز خریدتے ہیں تو میں آپکو دس روپیہ زائد دے دوں گا۔ یہ دراصل اس شخص کی محنت کا معاوضہ ہے اور بالکل جائز ہے۔ اسے ایک طرح کی وکالت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، مگر اس وقت اسی کو بنیاد بنا کر بینکنگ کے نظام کو نام نہاد اسلامی بنادیا گیا ہے، جو سود پر مبنی ہے۔ [42]

موجودہ امیر تنظیم اسلامی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے بیٹے جناب حافظ عاکف سعید صاحب نے ایک انٹرویو میں موجودہ نظام بینکاری کی بات کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد کے حوالے سے بتایا کہ وہ موجودہ نظام بینکاری کو مکمل طور پر یہودیوں کا قائم کردہ استحصالی نظام سمجھتے تھے جس کا مقصد غریب ممالک کی معیشت کو اپنے قابو میں رکھنا تھا مزید بر آں وہ موجودہ کچھ بینکوں کی طرف سے اسلامی نظام بینکاری کو رائج کرنے سے بالکل مطمئن نہیں تھے انکے خیال میں سود کے متوازی کوئی نظام کیسے چل سکتا ہے اور اسکا حل وہ یہ پیش کرتے تھے کہ علماء و فقہا جدید دنیا میں اسلام کے معاشی اصولوں کو بنیاد کر بالکل علیحدہ اپنا نظام بینکاری تشکیل دیں جو سود سے قطعی طور پر پاک ہو۔ [43] بینکنگ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:۔

ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔۔۔ اس کی ایک سطح مالیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔ [44]

نتیجہ (Conclusion)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے معاشی افکار و نظریات کے جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انکے پیش نظر جو اہم ترین شے تھی وہ معاشی لحاظ سے معاشرتی عدل مساوات تھی جہاں ہر شخص کو

انفرادی سطح اپنے اپنے طریقہ ہائے اکتساب سے فیض یاب ہونے کے متوازی اور یکساں مواقع حاصل ہوں، جہاں جاگیر داری کا عفریت کاشتکار کو محض مزارع ہی بنا کر نہ رکھ دے، جہاں نظام بینکاری سرمایہ دار کے سرمائے کو نہیں بلکہ عوام کے معاشی مفادات کا بھی خیال رکھے اور جہاں لوگوں کے اندر نہ صرف معاشی لحاظ سے قانونی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کا احساس ہو بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی وہ لوگوں کی مدد کریں اور جہاں کسی طور بھی سود جیسی لعنت کا ذرہ بھر عمل دخل نہ ہو اور یہ سب کچھ انکے نزدیک صرف اور صرف اسلام کے طے کردہ معاشی اصول و قوانین کو اختیار کرکے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد اسلام کے معاشی نظام کو دو شاخوں روحانی اور فقہی میں تقسیم کرتے ہیں اور ان دونوں کی آمیزش سے وہ اسلامی معاشی نظام کے ڈھانچہ کو کامل مانتے ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی کچھ خوبیوں کو روحانی اعتبار سے اور کچھ کو فقہی اور قانونی اعتبار سے سراہتے ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد سرمایہ دارانہ نظام کی تین خوبیوں کو کہ جو دراصل اسلامی قانون کا بھی خاصہ ہیں سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابی کی وجہ گردانتے ہیں جن میں قانونی طور پر نجی ملکیت کا تصور، طلب و رسد کا قانون اور Hire and Fire کا قانون شامل ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد یہ نظریہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر سرمایہ دارانہ نظام سے سود، جوا اور جاگیر داری کے نظام کو نکال دیا جائے تو اس معاشی نظام کو اسلام کے قریب ترین کہا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد جاگیر داری کے سود کو دور ملوکیت کی بدعات میں سے سمجھتے ہیں۔شرکت اور مضاربت کی کچھ شکلوں کو خلاف اسلام سمجھتے ہیں ۔ اسلامی ریاست کے نظام محاصل اور ان کے مصارف کو جدید نیشن اسٹیٹ کے نظریے سے ہٹ کر خالص اسلامی تناظر میں دیکھتے ہیں۔نظام زکوۃ میں اموال ظاہرہ و باطنہ کی بنیاد پر اسلامی ریاست کو وصولی و عدم وصولی کا ذکر کرتے ہیں۔اسلامی بینکنگ کو بھی اسلامی روح کے خلاف سمجھتے تھے کہ اسکی بنیاد بھی حیلے بہانوں سے سود پر رکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کوئی معیشت دان تو نہیں تھے لیکن انکے معاشی نظریات کے مطالعہ کے بعد انکی معاشی فکر و تدبر ایک عام قاری کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہتی، بلاشبہ انکے معاشی خیالات و نظریات اسلام کے ان

معاشی اصولوں کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں جنکی بہترین عملی مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ریاست مدینہ میں قائم فرمائی تھی۔

حواشی و حوالہ جات

(1) القرآن: البقرہ (۱) : ۲۸۴
(2) القرآن: الجمعہ (۶۲) : ۱۰
(3) القرآن: البقرہ (۱) : ۲۱۹
(4) احمد، ڈاکٹر اسرار، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، لاہور، مکتبہ خدام القرآن، ۲۰۱۵، ص ۱۱۷
(5) ایضا، ص۱۱۷
(6) مودودی، ابوالاعلی، معاشیات اسلام، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۷۰، ص ۵۷
(7) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص۱۱۸
(8) ایضا، ص۱۱۸
(9) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص۱۱۹
(10) القرآن: الحشر (۵۹) : ۷
(11) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص۱۲۰
(12) ایضا، ص۱۲۰
(13) ایضا، ص۱۲۰
(14) ایضا، ص۱۲۰
(15) احمد، ڈاکٹر اسرار، عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل لاہور، مکتبہ خدام القرآن, ۲۰۰۲، ص ۹۴
(16) عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل، ص۹۴
(17) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص۱۱۹
(18) ایضا، ص۱۱۹
(19) ایضا، ص۱۲۲
(20) ایضا، ص۱۲۳
(21) ایضا، ص۱۲۴
(22) ایضا، ص۱۲۹
(23) ایضا، ص۱۳۲
(24) مودودی، ابوالاعلی، معاشیات اسلام، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۳، ص ۱۵۴

(25) ایضاً، ص ۱۵۴

(26) القرآن:الانعام(۶) : ۱۴۱

(27) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام ، ص ۱۳۳

(28) ایضاً، ص۱۳۳

(29) ایضاً، ص۱۳۳

(30) مولانا محمد طاسین، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، لاہور ، مرکزی انجمن خدام القرآن، ۲۰۰۲، ص ۵۵

(31) احمد، ڈاکٹر اسرار. اسلام میں عدل اجتماعی . لاہور، مکتبہ خدام القرآن، ۲۰۰۱، ص ۲۲

(32) مودودی، ابوالاعلی، قرآن کی معاشی تعلیمات، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۷، ص ۶۴

(33) القرآن:النساء(۴) : ۲۱۹

(34) احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل، لاہور، مکتبہ خدام القرآن ص ۱۷

(35) ایضا، ص ۲۷

(36) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام ، ص ۱۴۰

(37) ایضا، ص ۱۴۱

(38) اسلام کا معاشی نظام اور اسلامی ریاست کا نظام محاصل، ص ۱۳

(39) ایضاً، ص ۱۷

(40) ایضاً، ص ۹

(41) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام ، ص ۱۳۵

(42) ایضاً، ص۱۳۶

(43) خورشید، نازیہ، ڈاکٹر اسرار احمد کے معاشی اور سماجی نظریات کا مطالعہ، لاہور، شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب، ۲۰۱۴، ص ۳۳، ۳۴

(44) احمد، ڈاکٹر اسرار، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، لاہور، مکتبہ خدام القرآن، ۲۰۰۶ ، ص ۸